مقدسیؒ[1] (دسویں صدی کا ربع آخر):-

سندھ کا صدر مقام اور مملکت کا مرکزی شہر (مصر) ہے، رقبہ میں دمشق کے برابر ہے، عمارتیں مٹی اور لکڑی کی ہیں لیکن جامع مسجد پتھر اور اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے، کافی بڑی عمارت ہے۔ عمّار (عمّان) کی جامع مسجد کی طرح، اس کے ستون ساگون کے ہیں، شہر کے چار گیٹ ہیں سمندر گیٹ، طوران[2] گیٹ، سندان[3] گیٹ، ملتان گیٹ، دریائے سندھ کی ایک شاخ شہر کو گھیرے ہوئے ہے۔ باشندے خوش سلیقہ اور با مروت ہیں، ذہین، ہوشیار، محبتی، خلیق اور نرم خو، شعائر اسلام کے پابند، علم کا خوب چرچا ہے، تجارت اور کاروبار نفع بخش ہے، مختلف آب و ہوا کے پھل پائے جاتے ہیں ہوا معتدل رہتی ہے، جاڑا کبھی سخت نہیں ہوتا لیکن بارش خوب ہوتی ہے، لوگ بعض عجیب و غریب خصوصیات کے حامل ہیں۔ یہاں بڑی بڑی بھینسیں ہوتی ہیں، عمدہ کپڑا اور کمبائتی وضع کے جوتے بنائے جاتے ہیں، باشندے دریائے سندھ کا پانی پیتے ہیں، جامع مسجد وسط بازار میں ہے، رسم و رواج عراق سے ملتے جلتے ہیں، لیکن گرمی سخت پڑتی ہے، پھل خوب ہیں، باشندے بارعب اور ضخیم گو ہیں، ہندو چھائے ہوئے ہیں، شہر کے بیرونی حصے اجاڑ ہیں، اکابر اور شرفا کی بھی کمی ہے۔

ادریسیؒ[4] (بارھویں صدی کا ربع ثالث):-

اس شہر کو دریائے مہران[5] (سندھ) کی ایک شاخ گھیرے ہوئے ہے، یہ شاخ شہر سے کافی دور ہے شہر دریا کے مغربی کنارہ اس جگہ واقع ہے جہاں دریا پار کیا جاتا ہے، دریائے مہران (سندھ) اپنے منبع سے چل کر جب شہر قالری (قماری) پہنچتا ہے جو اس کے مغربی کنارہ پر منصورہ سے ایک مرحلہ (تقریباً تیس میل) شمال میں واقع ہے تو اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں، بڑی شاخ منصورہ

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۹ [2] موجودہ سنجان، ایک قدیم تجارتی بندرگاہ بمبئی کے شمال میں۔ [3] طوران سے مراد موجودہ قلات کا علاقہ ہے۔ [4] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/ ۱۱۰-۱۱۲۔ ادریسی سے بہت پہلے منصورہ اجڑ چکا تھا اور بحیثیت عرب دار السلطنت اس کا کہیں وجود نہ تھا، ادریسی نے منصورہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ نویں اور دسویں صدی کی عرب تحریروں سے ماخوذ ہے۔ [5] متن میں مہر دریان۔

کی طرف چلی جاتی ہے اور دوسری شاخ سمت شمال سے سہوان[1] (قسروسان) کی طرف مڑ جاتی ہے اور وہاں سے پھر مغرب کی سمت مڑ کر بڑی شاخ میں ضم ہو جاتی ہے، دونوں شاخوں کا اتصال منصورہ سے تقریباً بارہ میل جنوب میں ہوتا ہے، اس کے بعد دریائے مہران (سندھ) نیرون[2] (حیدرآباد) سے ہوتا ہوا سمندر میں گر جاتا ہے۔

منصورہ طول و عرض میں ایک ایک میل ہے۔ یہ ایک گرم شہر ہے جہاں کھجور فراواں ہے، گنا بھی پایا جاتا ہے، یہاں پھل نہیں ہوتے البتہ ایک پھل لیمونہ[3] نامی بقدر سیب ہوتا ہے بیحد کھٹا، ایک دوسرا پھل[4] آلوچہ (خوخ) کے ہمشکل ہوتا ہے اور مزہ میں اس سے ملتا جلتا ہے۔

منصورہ نو تعمیر شہر ہے۔ اس کو خلیفہ منصور عباسی (۱۳۶ تا ۱۵۸ھ / ۷۵۳ تا ۷۷۴ء) نے اپنی خلافت کے اوائل میں بنوایا تھا[5]، اس لیے اس کی طرف منسوب ہے، منصور نے یہ چار شہر نیک ساعتوں میں تعمیر کرائے تھے اور نجوم کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ کبھی برباد نہیں ہوں گے، ان میں سے پہلا بغداد ہے، دوسرا منصورہ سندھ، تیسرا مصیصہ شام کا ساحلی شہر اور چوتھا میسوپوٹامیہ کا شہر رافقہ[6] (الرابعہ)۔

منصورہ بڑا اور خوب آباد شہر ہے، یہاں مالدار تاجر مقیم ہیں، روپیہ پیسہ اور مویشیوں کی بہتات ہے، کھیت، باغ اور چمن بھی ہیں، مکانات کچے پکے دونوں طرح کے، یہ شہر غریبوں کا مشکل کشا ہے باشندوں کے لیے ایسے نزہت بخش مقام ہیں جہاں وہ تفریح کرنے جاتے ہیں اور ایسے دن مقرر ہیں جب وہ کام کاج چھوڑ کر آرام اور دماغی سکون حاصل کرتے ہیں، یہاں تجارت پیشہ لوگوں کی بڑی تعداد ہے، بازار بارونق ہیں اور سامان خورد و نوش سے بھرپور، اہالی شہر کا لباس اور قیام

---

[1] کراچی سے لگ بھگ ایک سو نوے میل شمال مشرق میں۔ کننگھم ص ۲۹۱۔ [2] موجودہ حیدرآباد سندھ۔ [3] لیمونہ سے لیمو مراد ہے، یہ سیب کے بقدر نہیں بلکہ خوبانی دمشقی کے سائز کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مقدسی کے بیان میں ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ [4] اس سے آم مراد ہے۔ [5] یہ صحیح نہیں، دیکھو فٹ نوٹ حاشیہ ا ص ۱۹ [6] دریائے فرات سے متصل یہ قلعہ بند چھاؤنی ۱۵۵ھ میں منصور نے تعمیر کرائی تھی۔ یاقوت ۲/ ۷۴۴۔

لوگوں کی ہیئت عراق کے لوگوں سے ملتی جلتی ہے لیکن یہاں کے حکمران ہندو راجاؤں کی طرح گوشے دقرابلق پہنتے ہیں اور لمبے بال رکھتے ہیں۔ چاندی اور تانبے دونوں کے سکے رائج ہیں یہاں کا درہم چاندی کے معیاری درہم سے پانچ گنا بڑا ہوتا ہے۔ منصورہ میں (کابل کے) تاتاری (طاطری) سکے بھی آجاتے ہیں اور ان کے ذریعہ بھی لین دین ہوتا ہے منصورہ میں پھل بہت پکڑی جاتی ہے گوشت بھی سستا ہے، پھل باہر سے آتے ہیں لیکن کچھ پھل شہر میں بھی پیدا ہوتے ہیں سندھی زبان میں منصورہ کا نام بامیوانؒ (بامیرمان) ہے۔

لہ دیکھو کنگھم ص ۳۱۱ بیرونی نے اس شہر کا نام بھنوا دیا ہے اور ہمارے خیال میں یہ بامیوان سے صحیح تر ہے۔ کتاب الہند ص ۲۰۔

ہفتہ وار جمعیۃ ٹائمز دلی کی پہلی پیش کش

عید کے موقع پر مفتی اعظمؒ نمبر

ہفتہ وار جمعیۃ ٹائمز کا حال ہی میں اجرا ہوا ہے مگر دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہت پرانا پرچہ ہے۔ کتابت وطباعت تو ہے ہی صاف ستھری مضامین کے اعتبار سے بھی پرچہ معیاری ہے۔ خواتین کے لئے دو صفحے مخصوص ہیں جن میں اصلاحی اور مفید باتیں ہوتی ہیں۔ ایک صفحہ بچوں کے لئے ہے۔ ہر جمعہ کو دلی سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت بارہ روپے اور قیمت فی پرچہ 25 پیسے ہے۔ عید پر مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہؒ نمبر شائع کیا ہے۔ جس میں حضرت مفتی صاحب مرحوم کے بارے میں معلوماتی عمدہ مضامین ہیں۔

خاص نمبر کی قیمت ۵۰ پیسے ہے۔

پتہ ۶۱۶ بازار مٹیا محل دلی ۶

ایک دعاء اور ایک درود کے بارے میں چند معروضات

جناب مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی

دعا کی تاکید اور اُس کی اہمیت | احادیث میں دعاء اور درود شریف کی جو فضیلتیں و تاکیدیں ذکر کی گئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں یہاں نہ اس مضمون کی احادیث کا استیعاب مقصود ہے نہ درود و دعا کی فضیلتوں کا بیان کرنا مطلوب تاہم دعاء کی تاکید اور اُس کی اہمیت پر وارد سینکڑوں احادیث میں سے ایک مختصر سی حدیث کا ذکر کر دینا۔ اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے نامناسب نہ ہوگا۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من لم يسأل الله يغضب عليه رواه الترمذی۔[1]

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا سے سوال نہیں کرتا خدا اس پر غصہ ہوتا ہے۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنا نہ صرف اس کو پسند ہے بلکہ نہ مانگنے پر وہ ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا سے نہ مانگنا تکبر اور خدا سے بے نیازی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ملا علی قاری حنفیؒ نے حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے ؎

لان ترك السؤال تكبر و استغناء وهذا لا يجوز للعبد، والمراد بالغضب ارادة

چونکہ سوال نہ کرنا تکبر و بے نیازی ہے اور یہ بات (جو تکبر آمیز ہے) بندے کے لئے جائز نہیں ہے، غضب

---

[1] مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات ج ۱ ص ۱۹۵، ترمذی ج ۲ ص ۱۷۷، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص [illegible] تفسیر [illegible]

[2] اس پورے مضمون میں "عربی" عبارتوں کے ترجمہ میں لفظی ترجمہ کے بجائے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے اگرچہ کوشش اس امر کی بھی کی گئی ہے کہ مفہوم، عربی الفاظ سے قریب تر اندازِ عبارت میں آ جائے۔

ایصال العقوبة ...... قال الطيبي وذلك لان الله يحب أن يسأل من فضله فمن لم يسأل الله يبغضه والمبغوض مغضوب عليه لا محالة[1]

خداوندی کا مطلب ہے سزا دینے کا ارادہ (نہ کہ محض خفگی) علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ غضب کی وجہ یہ ہے خداوند تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ بندے اس سے مانگیں پس جو شخص اس سے سوال نہیں کرتا اس پر خدا یقیناً ناراض ہوتا ہے (کیوں کہ اس شخص نے ناپسندیدہ کام کیا)

اس پر کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

الله يغضب ان تركت سؤاله وبني آدم حين يسأل يغضب[2]

یعنی اللہ تو اس پر ناراض ہوتا ہے کہ تو نے اس سے مانگا کیوں نہیں۔ حالانکہ انسان اس وقت ناراض ہوتا ہے جب اس انسان سے کچھ مانگا جائے۔ ایک دوسرے موقع پر علامہؒ موصوف نے حقیقت دعاء پر کلام کرتے ہوئے بہت لطیف بحث فرمائی ہے۔ کہتے ہیں :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "الدعاء هو العبادة" ثم قرأ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" اى هو العبادة الحقيقية ... استدل بالآية على ان الدعاء عبادة لانه مامور به والمأمور به عبادة ..... وقال الراغب العبودية اظهار التذلل والعبادة افضل منه لانها غاية التذلل[3]

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ دعاء ہی عبادت ہے پھر (استدلال کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" یعنی دعاء ہی حقیقی عبادت ہے۔ دعاء کے عبادت ہونے پر آیت سے استدلال اس طور پر کیا کہ دعاء کا آیت میں حکم دیا گیا ہے اور جس چیز کا حکم دیا جائے وہ عبادت ہے۔ امام راغب اصفہانی نے کہا کہ عبودیت نام ہے فروتنی کے اظہار کا اور اس سے زیادہ کوئی عبادت افضل نہیں ہے"

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۲۹ ج ۲ [2] ابن کثیر ص ۸۲ ج ۴، التعلیق الصبیح ص ۵۰ ج ۲

[3] راغب اصفہانی کی "مفردات" میں عبارت اس طرح ہے۔ العبودية اظهار التذلل والعبادة ابلغ منه لانها غاية التذلل ولا يستحقها الا من له غاية الافضال وهو الله تعالى ولهذا قال الا تعبدوا الا اياه (مفردات ص ۳۲۱ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر)

ولا یستحقہا الامن لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالیٰ

کیوں کہ عبادت غایت درجہ فروتنی کو کہتے ہیں اور یہ اسی کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے جو غایت درجہ برتر ہو (ظاہر ہے کہ جو غایت درجہ برتر ہے) وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وقال الطیبیؒ یمکن ان تحمل العبادۃ علی المعنی اللغوی وھو غایۃ التذلل والافتقار والاستکانۃ وما شرعت العبادۃ الا للخضوع للباری واظہار الافتقار الیہ وینصر ھذا التاویل ما بعد الآیۃ المتلوۃ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ" حیث عبر عن عدم الافتقار والتذلل بالاستکبار ووضع عبادتی موضع دعائی وجعل جزاء ذلک الاستکبار الھوان والصغار الخ[1]

علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ "عبادۃ" کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے وہ انتہائی فروتنی، فروتنی کے اظہار اور عاجزی کا نام ہے۔ اور عبادت کی غرض و غایت یہی ہے کہ پیدا کرنے والے کے سامنے انتہائی نیاز مندی کے ساتھ اظہار ضرورت کیا جائے اس تاویل کی تائید قرآن مجید کی تلاوت کردہ اسی آیت کے آخری حصہ سے بھی ہوتی ہے (آیت کا آخری حصہ اس طرح ہے اِنَّ الَّذِیْنَ الخ) جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر گریز کریں گے وہ جہنم میں انتہائی ذلت و خواری کی حالت میں داخل ہوں گے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے ضرورت مندی کا اظہار نہ کرنے اور فروتنی اختیار نہ کرنے کو تکبر سے تعبیر کیا ہے۔ نیز لفظ "دعا" کے بجائے لفظ "عبادت" ارشاد فرمایا اور اس تکبر کی سزا (عمل کی مناسبت سے) ذلت و خواری قرار دی ہے۔

دعاء کے حقیقی عبادت ہونے کے بارے میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی بہت مختصر مگر نہایت جامع بات حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

---

[1] مرقاۃ ص ۳۰ - ۲۲۶ ج ۲ یہ اقتباس مرقاۃ طبع قدیم سے لیا گیا ہے اور اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر جیسا کہ حاشیہ ص ۲۵ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اس میں اور مفردات کی مذکورہ عبارت کے درمیان فرق ہے۔ خط کشیدہ عبارت سے فرق معلوم کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ صحیح اور مفہوم کے اعتبار سے مناسب مفردات والی عبارت معلوم ہوتی ہے [illegible]

قولہ صلے اللہ علیہ وسلم "الدعاء هو العبادة" (اقول) ذلك لان اصل العبادة هو الاستغراق فی الخضوع بوصف التعظیم - والدعاء بقسمیه نصاب تام منه[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "دعا ہی عبادت ہے" کے بارے میں، میں کہتا ہوں یہ اس لئے کہ عبادت نام ہی ہے دراصل خدا کی بارگاہ میں انتہائی عظمت کے احساس کے ساتھ مستغرق ہو جانے کا اور دعا کی دونوں قسموں میں یہ بات بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ (اس لئے دعا میں عبادت کی پوری روح آگئی)

دعا کی اہمیت کے پیش نظر ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے علماء نے اس کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس پر زور دیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہائے امت کا کسی عملی مسئلہ پر شاید ہی ایسا اتفاق ہو جیسا کہ دعا کے استحباب پر ہے۔ صحیح مسلم کے مشہور شارح اور ممتاز محدث و فقیہ علامہ محی الدین نووی رحمہ اللہ نقل کیا ہے:

اجمع اهل الفتاوی فی الامصار فی جمیع الاعصار علی استحباب الدعاء[2]

ہر زمانہ اور ہر شہر کے ارباب فتوی نے دعا کے استحباب پر اتفاق کیا ہے

اسی طرح بیہقی وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی معرکۃ الآرا تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں:-

واما سؤال کل امر یحتاج الیه العبد فی الدنیا والآخرة والاستعاذة من کل شر فمامور به مستحب باجماع العلماء[3]

رہا سوال ہر اس چیز کا جس کی ضرورت بندہ کو ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں اور ہر برائی سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ لینے کی درخواست کا سو اس کا تو حکم دیا گیا ہے اور باجماع علماء مستحب ہے۔

صرف علمائے امت ہی نہیں بلکہ انبیاء سابقین علیہم السلام بھی دعا کی افادیت اور اس کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۶ ج ۲ مطبوعہ مطبع خیریہ ۱۳۲۸ھ [2] مرقاۃ ص ۱۲۳ ج ۲
[*] شاہ صاحب نے دعا کی تفصیل کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے حجۃ اللہ ص ۵۵ ج ۲ تا ص ۵۷ ج ۲
[3] تفسیر مظہری ص ۲۶۱ ج ۸

اہمیت کو محسوس کرتے رہے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے بکثرت واقعات بیان کئے ہیں۔ اس بارے میں یہاں مشکوٰۃ کی شرح سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

اعلم ان الدعاء عند نزول البلاء وعند خوف نزوله مسنون مأثور من الانبیاء صلوات الله علیهم وعلی اتباعهم اجمعین[1]	مصیبت آ چکنے کے بعد یا اس کے آجانے کے خوف کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا مسنون ہے اور تمام انبیاء سے منقول ہے۔ (کہ وہ بھی دعاء مانگتے تھے)

درود شریف کی تاکید اور اس کی اہمیت

دعاء کی طرح درود شریف کی تاکید، اس کی اہمیت اور برکتوں سے متعلق احادیث بھی بکثرت ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے ارشاد :-

"ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منها شیئ حتی تصلی علی نبیك"[2]	دعاء کی قبولیت اور بارگاہ خداوندی میں اس کی رسائی موقوف رہتی ہے زمین و آسمان کے درمیان جب تک نبیؐ پر درود نہ بھیجا جائے (درود کے بعد قبول کی جاتی ہے)

سے تو درود کی اہمیت دعاء کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اس اثر کے الفاظ "حتی تصلی علی نبیك" کی معنوی مناسبت کو سامنے رکھتے ہوئے مشکوٰۃ کے شارح اول علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

الانسب ان یقال النبی مشتق من النبوۃ بمعنی الرفعة ای لا یرفع الدعاء الی الله تعالیٰ حتی یستصحب الرافع معه یعنی	زیادہ مناسب یہ ہے کہ لفظ "نبی" کو "نبوۃ" (نون پر زبر اور با کے پیش والا) سے مشتق مانا جائے جس کے معنی بلندی ہیں۔ یعنی اس بلند و بالا بارگاہ میں دعاء کی پیش

---

[1] التعلیق الصبیح ص ۴۴ ج ۳ [2] مشکوٰۃ المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی وفضلها ص ۸۷ ج ۱، ترمذی شریف ص ۶۵ ج ۱، تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۲ ج ۳

ان الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی الوسیلۃ الی الاجابۃ[1]

ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کوئی اس بلندی تک دعاء کو پہنچانے والا نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ درود شریف ہی۔ (دعا کو بلندی تک پہنچاتا ہے اور وہی اس کی) قبولیت کا ذریعہ ہے۔ گویا بارگاہ ایزدی میں دعاء کو پیش کرنے والا درود ہوا۔

چنانچہ بعض احادیث مرفوعہ میں بھی دعاء کے ساتھ درود پڑھنے کو قبولیت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے[2] مزید برآں یہ کہ عارف باللہ شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے اول وآخر میں درود پڑھنے سے قبولیت دعاء کا امکان بڑھ جانے بلکہ یقین پیدا ہوجانے پر بڑا لطیف استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی ضرورت کو طلب کرنا ہو تو پہلے درود پڑھو، اس کے بعد اپنی حاجت خدا سے مانگو پھر آخر میں درود شریف پڑھ کر ہی اپنی دعاء کو ختم کردیں کیوں کہ جب (دعا کے اول وآخر میں پڑھے گئے) دونوں درود اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا تو اس کی شان کرم سے یہ بعید ہے کہ درمیانی حصہ (دعا) کو قبول نہ کرے[3] اس طرح دعا کی قبولیت یقینی ہوجائے گی۔

علاوہ ازیں یہ کہ صحیح حدیث میں درود شریف کی کثرت کو سب سے زیادہ تقرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے:۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی صلوۃ[4]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے نزدیک وہ ہوگا جس نے کثرت سے درود پڑھا ہوگا۔

اس حدیث کی شرح ملا علی قاریؒ نے بایں الفاظ کی ہے:۔

لان کثرۃ الصلاۃ منبئۃ عن التعظیم المقتضی للمتابعۃ الناشئۃ عن المحبۃ الکاملۃ المرتبۃ علیھا محبۃ اللہ

درود کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں نبیؐ کی عظمت ہے اور عظمت کا تقاضہ ہے اتباع کرنا، اتباع سے کامل محبت وجود میں آتی ہے جس پر

---

[1] مرقات ص ۱۱ ج ۲، التعلیق ص ۴۰۵ ج ۱ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے احیاء العلوم للغزالی ج ۱ ص ۳۰۶ ج ۱ مطبوعہ مطبع عامرہ مصر ۱۳۱۲ھ [3] احیاء العلوم للغزالی ص ۲۱۶-۲۱۸ ج ۱۔ [4] ترمذی ص ۶۴ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۸۶ ج ۱